ضمیمہ ۳

بسلسلہ المرسلات، حاشیہ ۱

ان آیات میں ابتداءً بارش لانے والی ہواؤں کی ترتیب یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلے پے در پے ہوائیں چلنی شروع ہوتی ہیں، پھر آندھی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، پھر بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں، پھر انہیں پھاڑ کر جدا کرتی ہیں۔ اس کے بعد بارش کے نزول کا ذکر کرنے کے بجائے یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی یاد دلوں میں ڈالتی ہیں عُذر کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر۔ یعنی وہ ایسا موقع ہوتا ہے کہ آدمی کے دل میں یا تو خوف پیدا ہوتا ہے اور اس بنا پر وہ اللہ کو یاد کرنے پر مجبور ہوتا ہے، یا پھر آدمی اپنے قصوروں کا اعتراف کر کے دعا کرتا ہے کہ اللہ اسے تباہی سے بچائے اور اس پر رحم کر کے بارانِ رحمت سے اس کو نواز دے۔ اگر ایک مدت تک بارش نہ ہوئی ہو اور لوگ پانی کے قطرے قطرے کو ترس رہے ہوں تو اس موقع پر آندھیوں کو چلتے اور بادلوں کو آتے دیکھ کر بعض اوقات کٹے سے کٹا کافر بھی خدا کو یاد کرنے لگتا ہے۔ فرق اگر کچھ پڑتا ہے تو صرف اس سے کہ قحط ہلکا ہے یا سخت۔ معمولی قحط ہو تو عام آدمی جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دور نہیں ہے وہ اُس کو یاد کرے گا، لیکن دوسرے لوگ سائنس بگھاریں گے اور کہیں گے کہ کوئی گھبرانے کی بات نہیں، فلاں فلاں اسباب سے بارش نہیں ہو رہی ہے، اتنی سی بات پر دعائیں مانگنے لگنا ضعیف الاعتقادی ہے۔ البتہ اگر طویل مدت تک قحط برپا رہے اور پورا ملک تباہی سے دوچار ہو جائے تو بڑے بڑے کافروں کو خدا یاد آنے لگتا ہے، زبان سے کہتے ہوئے شرم بھی آتی ہو تو دل میں وہ اپنی گناہ گاریوں اور ناشکریوں پر ندامت محسوس کرتے ہیں اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ جو ہوائیں بادل اٹھا کر لا رہی ہیں ان سے پورے ملک میں بارش ہو جائے۔ یہ ہے عذر کے طور پر دلوں میں خدا کی یاد کا القاء۔ رہا نُذر (ڈراوے) کے طور پر اُس کا اِلقاء، تو یہ اُس وقت ہوتا ہے جب آندھی بڑھتے بڑھتے طوفانِ عظیم بن جائے اور بستیوں کی بستیاں تباہ کرتی چلی جائے، یا بارش اس قدر زوردار ہو کہ سیلاب بلا بن جائے۔ ایسی حالت میں مضبوط سے مضبوط دل کا منکر بھی خوف کے مارے خدا کے آگے گڑگڑانے لگتا ہے اور اُس وقت طوفان یا سیلاب کی ساری سائنٹفک توجیہات اُس کے نہاں خانۂ دماغ سے فرار کر جاتی ہیں۔ پس ہواؤں کے چلنے کی اس ترتیب کو بیان کرنے کے

بعد یہ کہنا کہ یہ ہوائیں عُذر کے طور پر یا ڈراوے کے طور پر اللہ کی یاد دلوں میں ڈالتی ہیں، گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہنا ہے کہ یہ سارا نظام جو دنیا میں چل رہا ہے انسان کو اِس حقیقت سے خبردار کرتا رہتا ہے کہ اِس زمین پر سب کچھ اُسی کے اختیار میں نہیں دے دیا گیا ہے بلکہ اوپر کوئی بالاتر طاقت موجود ہے جو اُس کی قسمت پر حکمرانی کر رہی ہے۔ اُس کا اقتدار اتنا زبردست ہے کہ جب چاہے وہ عناصر کو انسان کی پرورش کے لیے استعمال کر سکتی ہے اور جب چاہے انھی عناصر سے اس کی تباہی کا کام لے سکتی ہے۔

اس کے بعد ہواؤں کے اِسی نظام کو اِس بات کی دلیل قرار دیا گیا ہے کہ وہ قیامت جس کے برپا ہونے کا وعدہ تم سے کیا جا رہا ہے، ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اب دیکھنا چاہیے کہ یہ نظام اِس پر کیسے گواہی دے رہا ہے۔

انسان بالعموم قیامت اور آخرت کے معاملہ میں دو سوالات پر اُلجھتا ہے۔ ایک یہ کہ ایسا ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اس کی ضرورت کیا ہے؟ اور پھر انھی سوالات میں الجھتے ہوئے اسے یہ شک لاحق ہو جاتا ہے کہ وہ آئے گی بھی یا نہیں، یا یہ محض ایک افسانہ ہے؟ اِس پر قرآن میں جگہ جگہ کائنات کے نظام سے استدلال کرتے ہوئے اُس کا امکان، اس کا وجوب اور اُس کا وقوع ثابت کیا گیا ہے، اور کہیں یہ استدلال اِس طرز پر کیا گیا ہے کہ خدا کی خدائی کے بے شمار آثار میں سے بعض کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ وہ آنے والی ہے۔ اِس طریقِ استدلال میں اس کے امکان کے دلائل بھی آجاتے ہیں، وجوب کے دلائل بھی اور وقوع کے دلائل بھی۔

یہاں استدلال کا یہی طریقہ اختیار کرتے ہوئے صرف ہواؤں کی گردش اور بارشوں کی آمد کے نظام کو اِس امر کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ یہ ایک باقاعدہ نظام ہے جو کسی حکیم اور قادرِ مطلق کی تدبیر سے قائم ہوا ہے، کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے جس سے زمین کی فضا میں خود بخود یہ طریقہ چل پڑا ہو کہ یوں سمندروں سے بھاپیں اٹھیں، یوں ہوائیں ان کو لے کر چلیں، یوں وہ ان کو سمیٹ کر بادل بنائیں، پھر یوں وہ ان کو مختلف ٹکڑیوں میں تقسیم کر کے زمین کے مختلف حصوں پر پہنچائیں، اور یوں ان سے جگہ جگہ بارش ہو۔ یہ نظام ایک اندھی بہری فطرت نے کسی اندھیر نگری میں اتفاقاً نہیں بنا دیا ہے، بلکہ یہ ایک سوچا سمجھا اور جچا تُلا منصوبہ ہے جو پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک قانون کے مطابق چل رہا ہے۔ اسی لیے کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ سمندر پر سورج کی گرمی پہنچنے سے بھاپیں اٹھنے کے بجائے برف جم جائے بلکہ ہمیشہ دھوپ کی حرارت سے بھاپیں ہی اٹھتی ہیں۔

کبھی موسمی ہوائیں الٹی چال نہیں چلتیں کہ بھاپوں کو اٹھانے کے بجائے سمندر ہی میں دبا دیں بلکہ وہ ہمیشہ ان کو اوپر ہی اٹھاتی ہیں۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ بادلوں کا بننا بند ہو جائے، ہوائیں ان کو لے کر خشک علاقوں کی طرف چلنا چھوڑ بیٹھیں، اور خشکی پر بارشوں کے نزول کا سلسلہ رُک کر رہ جائے۔ کروڑوں سال سے ایک ہی قاعدہ ہے جس پر یہ نظام مسلسل چل رہا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس زمین پر آپ کا وجود میں آنا اور جینا ممکن نہ ہوتا۔

اس نظام میں آپ ایک کھلی ہوئی مقصدیت اور ایک باضابطہ قانون کی کارفرمائی پاتے ہیں۔ آپ کو علانیہ نظر آرہا ہے کہ زمین پر انسان، حیوان اور نباتات کی زندگی کا نہایت گہرا تعلق ان ہواؤں اور ان بارشوں سے ہے، اور یہ انتظام اس امر کی کھلی گواہی دے رہا ہے کہ پانی کی یہ فراہمی ذی حیات مخلوق کو وجود میں لانے اور زندہ رکھنے کے لیے ٹھیک ٹھیک اُس کی ضروریات کے مطابق اور ایک قانون کے مطابق کی گئی ہے۔ یہ مقصدیت اور باقاعدگی صرف اِسی ایک معاملہ میں نہیں بلکہ کائنات کے پورے نظام میں پائی جاتی ہے اور انسان کی ساری سائنٹفک ترقی اِسی پر مبنی ہے۔ ایک ایک چیز کے متعلق آپ یہ معلوم کرتے ہیں کہ وہ کس غرض کے لیے ہے اور کس قاعدے پر کام کرتی ہے، پھر جن جن چیزوں کے بارے میں جتنا جتنا آپ کو یہ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ ان کا مقصد کیا ہے اور ان میں کام کرنے والے قوانین کیا ہیں اسی قدر آپ ان کے استعمال کے نئے نئے طریقے نکالتے چلے جاتے ہیں اور نئی نئی ایجادیں کر کے اپنے تمدن کو ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں اگر فطری طور پر یہ تصور موجود نہ ہوتا کہ یہ دنیا ایک بامقصد دنیا ہے اور اس کے اندر ہر چیز ایک قانون پر کام کر رہی ہے تو آپ کے دماغ میں سرے سے کسی چیز کے متعلق یہ سوال ہی پیدا نہ ہوتا کہ یہ کس غرض کے لیے ہے اور اس سے کس طرح کام لیا جا سکتا ہے۔

اب اگر یہ دنیا اور اس کی ایک ایک چیز بامقصد ہے، اور اگر اس دنیا اور اس کی ہر چیز میں ایک قانون کارفرما ہے، اور اگر یہ اربوں سال سے پیہم اِسی مقصدیت اور باضابطگی کے ساتھ چل رہی ہے، تو صرف ایک ضدی انسان ہی یہ ماننے سے انکار کر سکتا ہے کہ ایک علیم و حکیم اور قادرِ مطلق خدا نے اِسے بنایا ہے، اور اُس خدا کے متعلق یہ خیال کرنا سراسر ایک احمقانہ بات ہے کہ وہ اسے بنا اور چلا تو سکتا ہے مگر توڑ نہیں سکتا اور توڑ کر پھر کسی اور شکل میں بنانا چاہے تو نہیں بنا سکتا۔ مادے کے متعلق یہ تصور کہ وہ غیر فانی ہے قدیم زمانے کے جاہل دہریوں کا بہت بڑا سہارا تھا، مگر علم کی ترقی نے اسے بھی باطل ثابت کر دیا ہے۔ اب یہ حقیقت علمی مسلّمات میں سے ہے کہ مادہ

قوت (ENERGY) میں تبدیل ہو سکتا ہے اور قوت مادّے کی شکل اختیار کر سکتی ہے۔ اس لیے یہ بات سراسر علم اور عقل کے مطابق ہے کہ خدائے حیّ و قیوم جب تک اِس مادّی دنیا کو قائم رکھے ہوئے ہے اسی وقت تک یہ قائم ہے۔ جونہی وہ اِسے قوت میں تبدیل کرنا چاہے صرف ایک اشارے سے تبدیل کر سکتا ہے اور اُس کا صرف ایک اشارہ ہی اس کے لیے بھی کافی ہے کہ یہ دوبارہ ایک دوسری مادّی شکل میں پیدا ہو جائے۔

یہ تو ہے قیامت کے امکان کا معاملہ جسے اب کسی علمی و عقلی دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ اب رہا یہ سوال کہ اس کو ضرور واقع ہونا چاہیے تاکہ انسان کو اس کے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا ملے، تو جو شخص انسان کی اخلاقی ذمہ داری کا قائل ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ حُسنِ خدمت کا انعام اور جرم کی سزا اِس اخلاقی ذمہ داری کا لازمی تقاضا ہے اُس کے لیے یہ تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ آخرت ضرور ہونی چاہیے دنیا میں معاشرے اور ریاست کا کوئی نظام ایسا نہیں ہے جو ہر جرم کی سزا اور ہر حُسنِ عمل کا انعام دے سکتا ہو۔ یہ کہنا کہ مجرم کے لیے اس کے ضمیر کی ملامت ہی کافی سزا اور مُحسن کے لیے اس کے ضمیر کا اطمینان ہی کافی جزا ہے، ایک بے معنی فلسفہ طرازی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص نے کسی بے گناہ کو قتل کیا اور اس کے بعد فوراً ہی وہ کسی حادثے سے دوچار ہو کر مر گیا، اس کے ضمیر کو کب اتنی مہلت ملی کہ وہ اسے ملامت کرتا؟ اور جو شخص حق اور انصاف کی خاطر لڑائی پر گیا اور وہاں اچانک ایک بم پڑنے سے اس کے پرخچے اڑ گئے اس کے ضمیر کو یہ اطمینان حاصل ہونے کا موقع کب ملا کہ اس نے ایک اچھے مقصد کے لیے جان دی ہے؟ پس حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے عقیدے سے فرار کے لیے جتنے بہانے تراشے جاتے ہیں وہ سب بے معنی ہیں۔ انسان کی عقل چاہتی ہے، اس کی فطرت چاہتی ہے کہ انصاف ہو، مگر دنیا کی موجودہ زندگی میں انصاف، اور وہ بھی ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا انصاف ممکن نہیں ہے۔ وہ اگر ہو سکتا ہے تو آخرت ہی میں ہو سکتا ہے اور خدائے علیم و خبیر ہی کے حکم سے ہو سکتا ہے۔ آخرت کی ضرورت کا انکار دراصل انصاف کی ضرورت کا انکار ہے۔

عقل اِسی حد تک انسان کو لے جا سکتی ہے کہ آخرت ممکن ہے اور اُس کو ہونا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ وہ یقیناً ہوگی، اِس کا علم صرف وحی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے، اور وحی نے یہ بتا دیا ہے کہ "جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے"۔ اس علم تک ہم عقلی استدلال سے نہیں پہنچ سکتے، البتہ اس کے برحق ہونے کا یقین ہمیں اِس بنا پر حاصل ہوتا ہے کہ جس بات کی خبر وحی دے رہی ہے وہ ممکن بھی ہے اور اس کو ضرور ہونا بھی چاہیئے۔